پروفیسر سیّد حسین نصر

اسلام کا سابقہ عیسائیت سے

یہودیت اور عیسائیت — سے اسلام کو اپنی چودہ سو سال کی تاریخ میں مسلسل واسطہ رہا ہے۔ ایک اعتبار سے یہودیت اور عیسائیت اسلام میں شامل ہیں اس لیے کہ یہ اسی دینِ ابراہیم کے سلسلے کی آخری کڑی ہے جس کی پہلی دو کڑیاں یہودیت اور عیسائیت ہیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام نے کوئی چیز ان مذاہب سے مستعار لی ہے جیسا کہ بعض مستشرقین نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ شریعت اسلامی قانونِ الہیٰ ہے مگر یہودیوں کے مذہبی قانون سے ماخوذ نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے مگر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام کا تصوّر مسیح عیسائی تصوّر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اسلام میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں جو عقیدہ ہے وہ عیسائیت کے واسطے سے نہیں آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ اور دوسرے عبرانی پیغمبر اسلام میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو خیال ہے وہ تاریخی لحاظ سے یہودیت اور عیسائیت سے ماخوذ نہیں۔ ان خیالات میں جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ محض اس وجہ سے ہے کہ ان تینوں مذاہب کی اصل ایک ہی ہے۔

تاریخِ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہودیت اور عیسائیت سے جو سابقہ تھا وہ زیادہ تر دینی مسائل کے بارے میں مناظرے کی صورت میں تھا۔ سچ پوچھیے تو فلو اور دوسرے آبائے کلیسا نے جس طرح ان مسائل کا سامنا کیا جو دینی عقائد کے عقلی ثبوت کے سلسلے میں پیش آئے تھے، اس کا اثر اس عہد کے مسلم علمائے دین پر یہ پڑا کہ وہ بھی عقلی تنقید کے حملوں کے مقابلے میں اسلامی عقائد کے تحفظ کے لیے اسی قسم کے استدلال سے کام لینے لگے۔[1] عموماً ان کتابوں میں جو مسلم علماء نے شروع میں تاریخِ مذاہب پر لکھیں مثلاً "الملل والنحل"، کچھ ابواب یہودیت اور عیسائیت کے لیے وقف ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض ان معلومات کے لیے جو آج ہمیں مشرقی کلیسا اور مشرقی عیسائی فرقوں کے بارے میں حاصل ہیں، قیمتی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر تقریباً مسلمانوں کی ہر کتاب میں خصوصاً صوفیاء کی تصانیف مثلاً ابنِ عربی کی فتوحات مکیّہ، مولانا روم کی مثنوی اور شبستری کی گلشن راز میں آیا ہے۔ ہر واردات کو جو ان پیمبروں پر گزری مثلاً حضرت موسیٰ کا مشاہدہ نُورِ حق، حضرت عیسیٰ کا اعجازِ مسیحائی، صوفیاء کے عقائد کی تشریح میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔[2] ظاہر ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے اور انسانی شکل میں ظہور کرنے کے عیسائی عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی تصوّر سے مطابقت نہیں رکھتا ہے اور اس عقیدے کی رد میں بعض کتابیں بھی

لکھی گئی ہیں۔[۳]

مگر مسلمانوں کا سابقہ عیسائیوں اور یہودیوں سے مسلسل ہر زمانے میں رہا۔ شروع میں، خصوصاً عباسی عہد کی ابتدائی صدیوں میں ان فرقوں سے مناظرے عام تھے۔ صلیبی جنگوں کے بعد اس تلخی کی وجہ سے جو سیاسی واقعات نے پیدا کر دی تھی، مسلمان اور عیسائی مشرق ادنیٰ میں جہاں وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے قریب تھے آپس میں کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ آج بھی فلسطین کے واقعات کی بناء پر وہی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ تاہم عالمِ اسلام کے دوسرے حصّوں میں جہاں سیاسی اور سماجی حالات نے دائمی تفرقہ نہیں پیدا کیا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت کا مطالعہ اکثر بڑی ہمدردی کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ ابھی ایک صدی پہلے ایران کے صوفی شاعر ہاتف اصفہانی نے عیسائیت کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر تثلیث کے عقیدے کی مابعد الطبیعی اہمیت کو سمجھ لیا جائے تو عیسائیت دراصل توحید کا اقرار کرتی ہے۔ وہ اپنے مشہور ترجیع بند میں کہتا ہے:

> کلیسا میں میں نے ایک عیسائی ساحرہَ دل رُبا سے کہا۔ اے محبوب جس کے دامِ الفت میں میرا دل اسیر ہے، جس کے پٹکے کے ہر پیچ سے میرا ہر سرِ مو وابستہ ہے تو کب تک توحید کے راستے سے دور رہے گی۔ کب تک توحید کو تثلیث سے ملوّث کرتی رہے گی۔ آخر ایک ذاتِ واحد کو باپ، بیٹا اور روح القدس کہنا اندھیر نہیں تو اور کیا ہے۔ اس نے لبِ شیریں کھولے اور تبسم شیریں کے ساتھ یوں شکر ریز ہوئی۔ اگر تو سرِّ وحدت سے آشنا ہے تو ہم پر کفر کی تہمت نہ رکھ۔ ایک ہی حسنِ سرمدی کا عکس ہے جو تین آئینوں میں جلوہ نما ہے۔ ریشم کو پرنیاں، حریر اور پرند کہیں تو ایک ہی چیز رہتی ہے تین نہیں ہو جاتیں۔[۴] ہم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ گرجا کی گھنٹی سے یہ زمزمہ سنائی دیا۔ لا موجود الّا اللہ، لا الٰہ الّا اللہ۔[۵]

اسی صدی میں الجزائر کے جلیل القدر صوفی احمد العلوی نے اس خیال کو دہرایا۔ انہوں نے سارے مذاہب کو دعوت دی کہ آپس میں مل کر عصرِ جدید کی بے عقیدگی کا مقابلہ کریں۔ انہیں عیسائیت سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے عقائد پر عبور حاصل تھا۔[۶] بحیثیت مجموعی اسلام کو صدیوں تک یہودیت اور عیسائیت سے رسمی اور غیر رسمی طور پر بہت گہرا سابقہ رہا ہے۔ یہ میراث آج بھی اس کے لیے کافی ہے کہ ان مذاہب میں باہم مفید تعاون ہو سکے۔ [اقتباس از مقالہ "اسلام کا سابقہ دوسرے مذاہب سے"، سہ ماہی "اسلام اور عصرِ جدید" - دہلی ۱۹۶۹ء]

حواشی

۱۔ H. A. Wolfson کی متعدد کتابوں میں خاص طور پر Philo اور The Philosophy of the KALAM. میں یہودی، عیسائی اور مسلم علماء دینیات کے مابین تاثر کا جو نتیجہ کلام کی بحثوں میں نکلا ہے، اچھی طرح روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ حضرت مسیح کو خاتم الولایت کا درجہ دیا گیا ہے، جن پر ظہورِ مہدی کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا۔ ابن عربی لکھتے ہیں۔ فتوحات (۲۱۵-۲)

> ہاں آپ خاتم الولایت ہیں۔ اس درجے کو دنیا میں کوئی نہیں پہنچے گا۔ آپ روح القدس ہیں اور ماں مریم اور روح کے فرزند بھی۔ یہ وہ رتبہ ہے جو کوئی شخص نہیں حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمارے درمیان سچے ثالث بن کر اتریں گے۔ لیکن آپ کے مناسب قانون کے اصول ختم نہ ہوں گے۔ وہ خنزیر کو مار ڈالیں گے اور ناانصافی کا خاتمہ کریں گے۔ صرف اللہ ہی آپ کا رہنما ہوگا۔

۳۔ اس نوعیت کی تصنیف کا نمونہ الغزالی کی وہ کتاب ہے جس کے اندر انہوں نے حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے بائبل کے متن سے استشہاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت مسیح جو انبیاء کی صف میں خاص نوعیت کے حامل ہیں انہیں خدا نے خصوصی اجازت دی تھی کہ اس طرح کی زبان اپنے بارے میں استعمال کریں جو خدا کی اجنبیت اور اس سے اتحاد کو ظاہر کرے مگر دراصل انہوں نے الوہیت کی صفت کو اپنی جانب کبھی منسوب نہیں کیا جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔ دیکھیے الغزالی کی:
Ghazzalie: Refutation excellente de la Divinite' de Jesus Christ d'aPressles Evangiles, ed and trans, R. Chidiac, (Paris, 1939)

۴۔ ریشم کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

5. Trans. By E. G. Browne, A Literary History of Persia, (Cambridge, 1938) IV, pp 293-4

۶۔ دیکھیے۔ M. Lings, A Muslim Saint of The Twentieth Century. (London, 1961)

اس کے ابتدائی ابواب میں اس دلچسپی کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے جو شیخ کو دوسرے مذاہب سے تھی۔